محمود غزنوی پر ایک سرسری نظر

از

(جناب قاری محمد بشیر الدین صاحب نیازی ایم اے)

محمود غزنوی کے ۳۳ سالہ عہدِ حکومت پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ اس کی زندگی کے چند لمحات بھی ایسے نہیں جنھیں جدوجہد سے خالی کہا جا سکے اس کے اندر جو وصف سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ اس کی سپاہیانہ و مجاہدانہ اسپرٹ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ محمود جیسا اولوالعزم فاتح عجمی سرزمین اب تک پیدا نہ کر سکی۔ سکندر کے کارنامے محمود کے کارناموں کے آگے ہیچ ہو گئے۔ شمال کے وحشی تاتاری جیحون کے اس پار منتشر کر دیے گئے۔ ایران کی چھوٹی چھوٹی خاندانی حکومتوں کو مٹا دیا گیا۔ اصفہان سے بندیل کھنڈ اور سمرقند سے گجرات تک نامور غزنوی نے ہر ایک دشمن کو زیر کیا اور ہر مدِ مقابل کو نیچا دکھایا۔ محمود جب تخت نشین ہوا ہے تو اس کے قبضہ میں صرف غزنی، بلخ اور بست کے صوبے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس نے حدودِ حکومت کو بڑھایا۔ سیستان۔ غور۔ غرجستان، خوارزم، کافرستان، رے، جبال، اور اصفہان کے صوبے براہِ راست غزنی کی حکومت میں ملا لئے گئے اور قزدار، مکران طبرستان، جرجان، ختلان، صغانیان اور قبادیان کے حکمرانوں نے اس کی بالادستی کو تسلیم کر لیا جنوب و مشرق کی طرف ہندوستان میں لمغان سے لے کر دریائے بیاس کے کنارے تک اور ملتان، بھٹنڈہ اور سندھ کی حکومتوں پر غزنی کا پرچم لہرا دیا۔ علاوہ بریں زیریں کشمیر، قنوج، کالنجر، گوالیار منج، اسونی، نرائن پور اور گجرات وغیرہ کے راجاؤں کو باج گذار بنا لیا۔ اس طرح عراق اور بحر کیسپین سے لے کر دریائے گنگا کے کنارے تک اور بحیرۂ ارل سے لے کر بحیرۂ عرب تک ایک وسیع و عریض حکومت قایم کر کے عجمی سلاطین کی فتوحات کے سابقہ ریکارڈ کو توڑ دیا۔ شرقاً غرباً طول میں اس کی حکومت ۲۰۰۰ میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور شمالاً جنوباً چوڑائی ۱۴۰۰ میل تھی۔

محمود فنِ سپہ گری سے زیادہ تدبیرِ جنگ میں ماہر تھا غزنی کے تخت پر بیٹھ کر اس کی عقابی آنکھیں مشرق و مغرب کی ہر چیز پر نظر رکھتی تھیں اس کے دھاووں کی تیز رفتاری دشمنوں کو حیرت میں ڈالتی تھی ایک شخص جو اسی جاڑے میں (سنہ ۱۰۰۶ء) ملتان کے قرمطیوں کو خوف زدہ کر کے ساتھ ہی بلخ کے تاتاریوں کو شکست دے کر دریائے جہلم کے کنارے ایک باغی صوبے دار (سکھپال) کو گرفتار کرنے کے لئے بھی وقت نکال سکتا ہو اس کے لئے اپنے دلیر مگر سُست قدم معاصرین کے دلوں میں ہلچل مچا دینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ پھر محمود باوجود اس مردانگی کے بہت ہی محتاط تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے جس کام میں ہاتھ ڈالا اس میں ناکام نہیں ہوا۔ محمود کے ہندوستان پر حملے جن میں اس کی فوجی لیاقت اعلیٰ ترین پیمانے پر نظر آتی ہے حزم و احتیاط اور شجاعت کا حیرت انگیز مجموعہ ہیں۔

جس قدر اس کی دلیری اور حزم و احتیاط لایقِ ستائش ہے اسی قدر اس کے ماتحتوں کی بے خوف جرأت و شجاعت قابلِ داد ہے انھیں ایک شخص کا حکم ماننا اور اس کی اطاعت کرنا سکھایا گیا تھا اس کی فوج میں ترکی، تاتاری، ایرانی، افغانی اور ہندی عناصر الگ الگ ہونے کے باوجود ایک تھے محمود کی تنظیم و تربیت نے انھیں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند ٹھوس اور ناقابلِ شکست بنا دیا تھا۔ اس کے تمام حریفوں نے بالعموم اور تاتاریوں نے بالخصوص اپنی جانیں کھو کر یہ سبق حاصل کیا تھا کہ صرف جواں مردی اور توکل بہ تقدیر سے ترتیب و تنظیم یافتہ افواج کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

محمود کو اپنے سپاہیانہ جوہر دکھانے کا اس لئے اور بھی موقع ملا کہ اسے خوش قسمتی سے حکومت کے نظم و نسق کے لئے وزیر نہایت ہوشمند و دور اندیش ملے۔ اس لئے اس نے انتظامِ مملکت کا اکثر و بیشتر کام اپنے وزرا پر چھوڑ دیا حکومت کے ابتدائی دو سال تک محمود کے باپ کا وزیر ابو العباس فضل بن احمد اسفرائینی وزارت کا کام انجام دیتا رہا۔ باوجود کم تعلیم پانے کے ملکی، سیاسی اور انتظامی معاملات میں ابو العباس کا علم ایک بحرِ بیکراں تھا اس کے جانشین خواجہ احمد بن حسن میمندی نے ۱۸ سال تک وزارت کا کام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ وہ بادشاہ کا رضاعی بھائی اور ہم سبق تھا۔ بلحاظ علم و فضل و سیاسی فہم و تدبر یگانۂ روزگار تھا۔ سلطان کے لئے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنا

ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہوتا اگر اس کے وزیر احمد کی انتظامی قابلیت شامل حال نہ ہوتی۔ احمد کے معزول[1] و متہور ہونے کے بعد سلطان نے ایک عرصہ تک کسی وزیر کا تقرر نہ کر کے اس امر کا ثبوت دیا کہ اگر ضرورت ہو تو وزارت کا عہدہ توڑا جا سکتا ہے اور بغیر وزیر کے بھی سلطنت کا کام چلانے کی اس کے اندر صلاحیت ہے۔ آخری سالوں میں اس نے احمد حسن بن میکائیل کو جو عام طور سے حسنک کے نام سے مشہور ہے اپنا وزیر بنایا۔ یہ نیا وزیر سلطان کے مقرب دوستوں میں سے تھا اس پر سلطان کو از حد بھروسہ اور اعتماد[2] تھا

محمود غزنوی ایک بہترین سپہ سالار و سیاست داں ہونے کے ساتھ ساتھ تہذیب و شائستگی کے زیور سے بھی آراستہ و پیراستہ تھا۔ مستند کتابوں میں اسے فقیہ مانا گیا ہے۔ اور فقہ میں اس کی ایک مبسوط[3] تصنیف تفرید الفروع موجود ہے۔ فارسی تذکروں اور تاریخوں میں اس کے طبع زاد[4] چند شعر بھی منقول

---

[1] خواجہ احمد بن حسن میمندی کا غیر معمولی عروج لوگوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ سلطان کے داماد امیر علی اور سپہ سالار التونتاش کی سرکردگی میں ایک بڑی جماعت اُس کے خلاف قائم ہو گئی۔ بالآخر خواجہ احمد کو ہندوستان کے ایک قلعہ کالنجر میں جو کہ تمام خطرناک قسم کے سیاسی قیدیوں کے لئے بطور کالے پانی کے استعمال ہوتا تھا قید کر دیا گیا۔ وہاں وہ ایک عرصہ تک قید رہا۔ محمود کے بعد اُس کے بیٹے مسعود نے اُسے رہا کر کے اپنا وزیر مقرر کیا۔ [2] احمد حسن ایک مرتبہ حج کو جاتے ہوئے ملک شام سے گذرا جو اس وقت فاطمی خلیفۂ مصر کا ایک مقبوضہ تھا خلیفۂ مصر نے اسے اپنا طرفدار (اسمٰعیلی) بنانے کی غرض سے خلعت پیش کیا جسے اس نے قبول کر لیا اس پر خلیفۂ بغداد نے صدائے احتجاج بلند کی مگر محمود حسنک کے معقولی عقائد سے واقف تھا اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ محمود اس پر کتنا اعتماد کرتا تھا اس کا اندازہ اس جواب سے ہوگا جو اس نے خلیفۂ بغداد کو اپنے ایک معتمد کے ذریعہ سے دیا۔ اُس نے کہا کہ "اس بڈھے خلیفہ کو لکھ دو کہ محض عباسیوں کی خاطر میں نے دنیا بھر سے لڑائی مول لی ہے۔ قرامطہ کو میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتا ہوں اور جس کسی کے متعلق ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ قرمطی ہے تو فوراً اس کو دار پر چڑھا دیتا ہوں اگر یہ تحقیق ہو گیا کہ حسنک قرمطی ہے تو امیر المومنین کو اس کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا لیکن اس کی میں نے پرورش کی ہے اور وہ مثل میرے بھائی اور بیٹوں کی ہے وہ قرمطی ہے تو میں بھی قرمطی ہوں"۔ آخر میں محمود نے خلعت کو خلیفہ بغداد کے پاس بھجوا دیا۔ جس کو خلیفہ نے جلوا دیا اس طرح خلیفہ بغداد کی تشفی ہو گئی اور بات گئی گذری ہوئی۔ (ملاحظہ ہو بیہقی ص۲۱۲) [3] ڈاکٹر ناظم ص۱۵۷ بحوالہ حاجی خلیفہ جلد دوم ص۳۲۷ و قصیدہ عسجدی کا شعر ؎ بر دادن صلات کتابی بکرد شاہ + چونانکہ بوحنیفہ کتاب صلات کرد، شعر العجم جلد اول ص۵۵ طبع چہارم [4] بعض طبع زاد اشعار مندرجہ ذیل ہیں ؎

بزخم تیغ جہاں گیر و گرز قلعہ کشائے　　جہاں مسخر من شد چو تن مسخر رائے

بسے بلاد گرفتم بیک اشارت دست　　بسے قلاع گرفتم بیک فشردن پائے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ہیں۔ لیکن اس کی علم دوستی کا شاید سب سے اچھا ثبوت وہ عالی شان مدرسہ اور کتب خانہ ہے جو اس نے غزنی میں تعمیر کرایا تھا اس کے سالانہ مصارف کے لئے جاگیریں اور گاؤں وقف تھے[1] حقیقتاً وہ ایران کی ادبی "نشاۃ جدیدہ" کا عظیم الشان مربی کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ عربی حکومت کے زوال پر جب ایرانی النسل بادشاہوں کی حکومتیں قایم ہوئیں تو ایرانیوں کو اپنی قومی زبان اور قومی روایات کے از سر نو زندہ کرنے کا خیال آیا۔ اور ہر چھوٹا بڑا دربار اس تجدیدی تحریک کا مرکز بن گیا۔ لیکن محمود کی تخت نشینی کے وقت تک فارسی علم و ادب کا سرمایہ نہایت قلیل تھا۔ نثر میں گنتی کی چند کتابیں تھیں نظم میں زیادہ تر قطعات و رباعیات کا رواج تھا۔ قصیدہ و غزل نہایت ابتدائی حالت میں تھے۔ محمود کی قدردانیوں نے نہ صرف تاریخ و اخلاق کے فنون کو ترقی دی بلکہ محمودی شعراء نے شاعری کے اصل فن کو ترقی دے کر زمین سے آسمان پر پہنچا دیا اور شاعری کو اس قابل کر دیا کہ جس قسم کے مطالب چاہیں ادا کر سکیں۔ واقعہ نگاری، معاملہ بندی، اظہارِ جذبات، قدرتی مناظر کی تصاویر، غرض شاعری کے جتنے انواع ہیں سب ان کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ البتہ قصیدہ کے مقابلہ میں غزل پیچھے رہ گئی سو اس فتنۂ خوابیدہ کے جگانے کی ابھی ضرورت بھی نہیں تھی کیوں کہ یہ زمانہ اسلام کی ترقی کے شباب کا تھا۔

محمود کی علمی قدردانی اور شاہانہ داد و دہش نے دور دور کے علماء و شعراء کو کھینچ کھینچ کر غزنی بلا لیا بقول فرشتہ "چار سو متین شاعر سلطان کے ملازم تھے"[2] جن پر وہ سالانہ چار لاکھ دینار خرچ کرتا تھا[3]۔ واقعہ یہ ہے کہ برگزیدہ شعراء کا جو جمگھٹا محمود کے دربار میں تھا ایران و توران کے کسی دوسرے فرمانبردار کو میسر نہیں ہوا ان شعراء کی بذلہ سنجیوں و نکتہ آفرینیوں نے محمود کی فتوحات کو چار چاند لگا دئے۔ جن شعراء نے محمود کے دربار میں شہرت پائی اور جو واقعی آسمانِ سخن کے سبعہ سیارے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نبود — بقا، بقائے خدا و ندو ملک ملک خدائے

(منتخب التواریخ جلد اول صہ۲۰ از ملا عبد القادر بدایونی)

نوٹ:۔ صاحب تاریخ گزیدہ نے انہیں اشعار کو سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ [1] تاریخ فرشتہ صہ۳۰ [2] ایضاً صہ۳۹ [3] گزیدہ صہ۳۹۵

وہ یہ ہیں۔ "عنصری، فردوسی، اسدی، عسجدی، غضائری، فرخی، منوچہری"[1]

فردوسی کے سوا باقی تمام شعرار نے قصیدے لکھے ہیں جن میں سلطان کی ہندوستانی فتوحات کی طرف اشارے ہیں "عنصری نے ۱۸۰ اشعار کا قصیدہ لکھا۔ جس میں محمود کی تمام لڑائیاں نہایت تفصیل سے بیان کیں"[2] عسجدی و فرخی شاید سلطان کی مہم سومنا تھ میں شریک تھے۔ عسجدی نے اس کے متعلق ایک زبردست قصیدہ لکھا تھا جس کے فقط چند شعر محفوظ ہیں۔ مطلع تھا۔

تا شاہِ خسرواں سفرِ سومنات کرد ۔۔۔ کردارِ خویش را علمِ معجزات کرد[3]

اس سے زیادہ پُرزور قصیدہ فرخی کا ہے جو اس نے اس فتح کی یادگار میں لکھا تھا۔ اس قصیدہ میں سفرِ سومنات اور فتح کی تمام تفصیلات درج ہیں۔[4] اس قصیدہ میں ۱۷۵ شعر ہیں، مطلع ہے ؎

فسانہ گشت وکہن شد حدیثِ اسکندر ۔۔۔ سخن نو آر کہ نو را حلاوتیست دگر

سلطان محمود کی قدر شناسی کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ اس نے حکیم بوعلی سینا[5] ...... اور ابوریحان[6] بیرونی کو جو شاہ خوارزم کے دربار میں تھے اپنے خوانِ کرم پر دعوت دی تھی ان کے بلانے کے لئے اس نے اپنا ایک خاص سفیر روانہ کیا جو خود بھی اپنے زمانہ کا ایک نہایت نامور فاضل تھا اس سفیر کا نام خواجہ حسین بن علی بن میکال ہے۔

---

[1] و [2] شعر العجم جلد اول ص۵۹ طبع چہارم [3] قاضی منہاج الدین سراج جوزجانی نے اس مطلع کا ایک قصیدہ عنصری کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کے دو شعر لکھے ہیں ؎ تا شاہِ خسرواں سفرِ سومنات کرد + آثارِ غزو را علمِ معجزات کرد

شطرنج ملک باخت ملک با ہزار شاہ + ہر شاہ را بلعب دگر شاہ مات کرد (طبقات ناصری ص۱۰)

[4] دیوان حکیم فرخی ص۶۶ تا ص۷۰ [5] حکیم بوعلی سینا ایک آزاد قسم کا انسان تھا اس نے محمود کے دربار میں آنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ سلطان کو اس کے خیالات ناگوار گذرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس جگہ اور جس شہر میں وہ جاتا محمود کے عُمّال اس کا تعاقب کرتے یہاں تک کہ بالآخر اس کو رَے کے دیلمی فرمانروا کے یہاں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ برخلاف اس کے بیرونی کو طوعاً وکرہاً غزنی آنا پڑا۔ بوعلی سینا کی مختصر سوانح عمری حبیب السیر میں درج ہے۔

[6] البیرونی کے حالات پر اخفار کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ فقط اس کی تصانیف میں کہیں کہیں اس کے قلم سے اپنی نسبت جو کوئی لفظ ٹیک گیا ہے اسے پھیلا کر اس کی داستانِ حیات ترتیب دینی پڑتی ہے۔ وہ خوارزم (خیوا) کے قریب ایک گاؤں بیرون میں ۳۶۲ھ ۹۷۳ء میں پیدا ہوا، ۲۳ برس تک اپنے وطن میں رہا پھر کئی سال شمس المعالی والئ جرجان وطبرستان کے دربار سے وابستہ رہا اور یہیں "آثار الباقیہ" نامی کتاب ۳۹۰ھ میں مرتب کی اس کے بعد وہ خوارزم چلا آیا۔ سلطان

(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

شاعری پر اُس نے جس حوصلۂ شاہانہ سے توجہ کی وہ آپ اپنی مثال ہے۔ ایک موقع پر جب شہزادہ مسعود خراسان سے غزنین آیا اور شعراء نے دربارِ عام میں قصائد پیش کئے تو ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار اور زینبی اور عنصری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کئے[1]۔ غضائری رازی کو جو رے کا ایک شاعر تھا دو شعروں پر دو توڑے (۱۴ ہزار درم) دیئے چنانچہ غضائری خود کہتا ہے ؎

مرا دو بیت بفرمود شہر یارِ جہاں | بر آں صنوبر عنبر عذار مشکیں خال
دو بدرہ زر بفرستاد و دو ہزار درم | برغم حاسد و تیمار بد سگال نکال

ملک الشعراء عنصری کا منہ ایک برجستہ قطعہ کہنے پر تین بار موتیوں سے بھر گیا[2] یوں بھی عنصری کی جو پہلے ایک نادار شخص تھا دولت مندی مشہور ہے، سلطان کی فیاضی کے طفیل چار سو زریں کمر بستہ غلام اُس کے جلو میں چلتے تھے اور ظروف میں اس کی دیگیں تک طلائی یا نقرئی تھیں[3]۔ اُس کا اسبابِ سفر چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔

فردوسی کے سلسلہ میں محمود کے بخیل ہونے کا جو قصہ مندرج ہے وہ حقیقت سے دور از بے بنیاد ہے۔ وہ شخص جو چار لاکھ اشرفی سالانہ مستقلاً علماء و شعراء پر صرف کرے، جو دار العلوم اور اس کے مصارف کے لئے ایک زبردست جائداد وقف کر دے، جو طلباء اور شائقینِ علم کی ہمت افزائی میں ہمیشہ اپنے خزانے کا منہ کھلا رکھے، جو حوضوں اور فواروں، پلوں، محلوں، مسجدوں اور خانقاہوں کی تعمیر میں دولتِ خطیر صرف کرنے سے گریز نہ کرے، جو ایک ایک شعر پر تین تین بار ایک شاعر کا منہ جواہرات سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) محمود نے جب خوارزم کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو اُسے غزنی آنا پڑا۔ یہاں پہلے محمود اور بعد کو مسعود نے اُس کی سرپرستی کی۔ مؤخر الذکر کے نام سے اُس نے "قانونِ مسعودی" معنون کی بالآخر ۷۸ سال کی عمر میں ۱۱۴ سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے کے بعد ۱۰۴۸ء میں وفات پائی۔ اُس کی شہرت کا اصل سبب اُس کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو علمی دنیا میں "کتاب الہند" کے نام سے موسوم ہے۔ انجمن ترقی اُردو ہند دہلی نے اُس کا ترجمہ اُردو میں کرا کر دو جلدوں میں شائع کرا دیا ہے۔ ڈاکٹر سخاؤ جنہوں نے اس کا انگریزی میں ترجمہ شائع کرایا ہے شہادت دیتے ہیں کہ آج بھی دورِ جدید کی تمام آسانیوں کے باوجود اتنی صحت اور وسعتِ نظر کے ساتھ قدیم ہند پر ایسی محققانہ کتاب لکھنا جیسی بیرونی لکھ گیا ہے سالہا سال کی محنت کا کام ہے۔ بیرونی نے ہندو اور مسلمانوں کے لئے الگ الگ کم و بیش بیس کتابیں لکھی ہیں۔ (مزید مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو علوم عرب جلد سوم باب علوم دخیلہ (ج) مصنفہ علامہ جرجی زیدان و "ہندو عرب کے تعلقات" باب سوم مصنفہ علامہ ڈاکٹر سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم)

[1] بحوالہ شعر العجم جلد اول ص۱۸ [2] بحوالہ چہار مقالہ ص۴۵ [3] بحوالہ شعر العجم جلد ا ص۵۵ طبع چہارم

بھر دے، جو ایک معمولی سی اور وہ بھی غیر زبان کی نظم پر اپنی فتوحات سے فائدہ اُٹھا کر ایک غیر مذہب والے مفتوح شخص (راجہ کالنجر) کو پندرہ پندرہ قلعے تفویض کر دے، جس کا دربار دنیا کے ادبار و حکماً کا مخزن رہا ہو، کیا اس کی نسبت کوئی دانش مند شخص کہہ سکتا ہے کہ وہ طامع اور بخیل تھا؟ نظامی سمرقندی کے قول کے بموجب فردوسی شاہنامہ کو طوس کے گورنر کی خدمت میں پیش کر کے بطور صلہ حکومت کے محاصل سے آزادی حاصل کر چکا تھا محمود کے ۲۰ ہزار درم کا عطیہ اُس پر مستزاد ہے لیکن شاعر کے نزدیک یہ عطیہ اُس کے حوصلے سے کم تھا اس لئے دوسرے موقع پر محمود کا شاعر کو خوش کرنے کے لئے ۶۰ ہزار دینار بھیجنا اُس کے وسیع القلب اور فیاض ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔[1] محمود کی علم پروری اور ذوقِ ادب کے ثبوت میں جہاں اور بہت سی مثالیں مورخین نے پیش کی ہیں وہیں ایک نمایاں مثال وہ بھی ہے جو صاحبِ طبقاتِ اکبری نے بیان کی ہے اور وہ یہ کہ کالنجر کے راجہ نندا نے یہ دیکھ کر کہ وہ محمود کے محاصرہ کی تاب نہیں لا سکتا تین سو ہاتھی پیش کرتے ہوئے صلح کی درخواست کی چوں کہ اُن ہاتھیوں پر کوئی مہاوت نہ تھا اس لئے محمود نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ انھیں پکڑ کر سوار ہو جائیں چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ نندا یہ دیکھ کر بہت متعجب ہوا اور محمود کی تعریف میں چند اشعار ہندی زبان میں لکھ کر پیش کئے۔ محمود نے اپنے ہندو ساتھیوں سے اُن اشعار کو پڑھوا کر سنا۔ اشعار اپنے معانی کے لحاظ سے اس قدر بے مثل تھے کہ محمود اپنے صحیح مقصود کو بھی بھول گیا اور اُس نے بے اختیار ہو کر پندرہ قلعوں کی حکومت جن میں کالنجر بھی شامل تھا راجہ کو بخش دی، تحائف و ہدایا اس کے علاوہ تھے فرشتہ نے بھی اس واقعہ کو انھیں الفاظ میں بیان کیا ہے (فرشتہ جلد اول ص۳۳)۔ سلطان کے ادبی ذوق کی شاید سب سے عمدہ شہادت یہ ہے کہ اس نے عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ سب شعراء کا کلام دیکھے اور بغیر تنقید و اصلاح کسی کے اشعار دربار میں پیش نہ ہوں۔

---

[1] علامہ محمود خاں شیرانی نے فردوسی و محمود پر سیر حاصل بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ فردوسی کے معاملہ میں محمود کو متہم کیا گیا ہے (ملاحظہ ہوں رسائل اردو از مولوی عبد الحق صاحب بابتہ سال ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۳ء)

اِن تمام واقعات کو ممکن ہے کہ ایک نکتہ چیں محمود کے فضائل کے بجائے اُس کے معائب کے دفتر میں لکھے لیکن اسے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ محمود کی یہ فیاضیاں مدح پسندی کی غرض سے نہیں بلکہ فنِ ادب و تاریخ کی ترقی کی غرض سے تھیں اُس نے فردوسی سے شاہنامہ لکھوا کر عجم پر یہ احسان کیا کہ عجم گو خود مٹ گیا لیکن اُس کے کارنامے آج تک نہ مٹ سکے۔ بدایعی بلخی نے نوشیرواں کا نصیحت نامہ نظم کیا۔ اسدی طوسی نے لغات فارسی کی تدوین کی اور فارسی صنائع و بدائع پر ایک کتاب لکھی۔ غرض کہ محمود کی سرپرستی اور شعراء کی عرق ریزی نے فارسی شاعری میں غزل کے سوا ہر صنفِ شعر کو اوج کمال پر پہنچایا اور یہی وہ علمی خدمات ہیں جو اُس کے نام کو قرن ہائے دراز تک زندہ رکھنے کی ضامن ہیں

اسی چیز کو نظامی عروضی[۱] سمرقندی نے اس طرح دکھایا ہے ؎

بسا کاخے کہ محمودش بنا کرد　　کہ در رفعت ہمی با مہ مِرا[۲] کرد

نبینی زاں ہمہ یک خشت برپائے　　مدیح عنصری ماند است برجائے

یعنی سلطان محمود نے بہت سی عمارتیں بنائیں جو بلندی میں چاند پر چشمک کرتی تھیں اُن کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ پر قایم نظر نہیں آتی لیکن عنصری نے اس کی تعریف میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ آج تک سلامت ہے

محمود غزنوی قانوناً خلیفہ بغداد کا ایک باج گذار لیکن عملاً با اختیار بادشاہ تھا اُس نے اپنے آقایئی خلیفۂ بغداد کے اقتدار کو بحال کرنے کے لئے دنیا بھر سے لڑائی مول لے لی۔ قرامطہ کا استیصال اُس نے کیا، تاتاری و ایرانی حکمرانوں سے نبرد آزمائی اُس نے کی اور یہ سب خلیفۂ وقت کے خوش کرنے یا پھر اپنی سلطنت کی توسیع و استحکام کے لئے۔ اُس کو اپنے مفتوحہ و مقبوضہ علاقہ سے یکساں لگاؤ تھا۔ محترم پروفیسر حبیب صاحب کا یہ خیال صحت طلب ہے کہ "سلطان ایک وسط ایشیائی حکمراں تھا اور عجم کی تاریخی سرزمین ہی اُس کی امیدوں کا ملجا و ماویٰ تھی"[۳] اس میں شبہ نہیں کہ توسیعِ حکومت کے لئے وسط ایشیائی علاقے زیادہ موزوں تھے اور محمود نے اسے نظر انداز نہیں کیا لیکن واقعات شاہد ہیں کہ اُسے

۱؎ بحوالہ چار مقالہ ص ۳۶ ۲؎ علامہ شبلی نعمانی نے شعر العجم جلد اول کے ص ۵۹ پر "مرا" کی جگہ "ندا" لکھا ہے اور "در" کی جگہ "از" اس طرح پورا مصرع یوں تحریر ہے "کہ از رفعت ہمی با مہ ندا کرد"

۳؎ سلطان محمود غزنوی از پروفیسر محمد حبیب صاحب ص ۸۵ ترجمہ

اپنے ہندی مقبوضات ومفتوحات پر بھی بہت ناز تھا۔ پنجاب وسندھ کا باقاعدہ الحاق کرلیا گیا تھا، قنوج و کالنجر اور گجرات کے علاقے باجگذار بنالئے گئے۔ گو امتدادِ زمانہ سے مقبوضہ ومحروسہ علاقے کا بڑا حصہ اس کی اولاد کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن پنجاب آخر تک سلاطین یمینیہ کا ماویٰ ومستقر رہا۔

سلطان کو ہندوستان اور وہاں کے نفائس ونوادر سے جو دلچسپی تھی اُن کی بعض مثالیں تاریخ میں محفوظ ہیں ان میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر یہ روایت ہے کہ قنوج ومتھرا کے سفر سے واپس آنے کے بعد جب اُس نے غزنی میں ایک وسیع ورفیع مسجد "عروسِ بہشتی" اور ایک عالی شان مدرسہ وکتب خانہ کی بنیاد ڈالی تو ان عمارات کے لئے بہترین سنگ مرمر اور رنگِ رخام ہندوستان کی کانوں سے منگوایا اور ان کے متعلق جو باغ لگوایا اس میں درخت بھی ہندوسندھ کے نصب کرائے ان درختوں کو وہاں بویا نہیں گیا تھا بلکہ پرورش یافتہ بڑے بڑے درخت یا پودے بجنسہٖ اکھڑوا کر غزنی منگوالئے گئے تھے۔[1] ایک دوسری روایت کے بموجب سلطان نے سومناتھ کی فتح کے بعد گجرات کو اپنا مستقر بنانے کا ارادہ کرلیا تھا گو اس ارادے پر ساتھ والوں کے جوشِ حبِ وطن کی وجہ سے عمل نہ ہوسکا تاہم یہی واقعہ یہ ثابت کرنے کے لئے کیا کم ہے کہ اسے ہندوستان سے دلی لگاؤ تھا۔

مگر ان سب باتوں سے بڑھ کر جو شے اُسے بادشاہ ہند کہلائے جانے کے مستحق گردانتی ہے وہ یہاں کے راجہ مہاراجاؤں کی طرح جنگی ہاتھیوں کی غور و پرداخت اور قدردانی ہے وہ اس "مہیب آلۂ جنگ" کا از حد شائق تھا چنانچہ یہ قصہ مشہور ہے کہ جب محمود نے قلعہ مینیا یک یا مینیج کو ۱۰۱۹ء میں فتح کیا تو گو راجہ چندر رائے بچ کر نکل گیا لیکن اس کا سب سے بڑا ہاتھی جو ہندوستان بھر میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ایک رات کسی طرح از خود شاہی لشکر میں آگیا۔ سلطان کو اس سے بے حد خوشی ہوئی اور یہ ہاتھی جسے سلطان پہلے بڑی سے بڑی قیمت پر راجہ سے خریدنا چاہتا تھا اور جسے راجہ نے دینے سے انکار کردیا تھا "خداداد" کے نام سے شاہی فیل خانہ میں داخل کرلیا گیا۔[2] سلطان کے پاس ان ہاتھیوں کی جتنی تعداد جمع ہوگئی[3]

---

[1] فرشتہ ص۳۰ - ترجمہ تاریخ یمینی میں یہ عبارت نظر سے گزری "واز نواحی اقطار سند وہند درختے چند بیاوردند"

[2] فرشتہ ص۳، تحفۃ الکرام ص۱۲۸ - ۲۵۰۰ ہاتھی غزنی کے فیل خانہ میں تھے۔

تھی، اتنی اب تک کسی مسلمان فرمانروا کے وہم و خیال میں بھی نہ گذری ہوگی بلکہ خود ہندو راجہ مہاراجاؤں میں بہت کم ایسے ہوں گے جن کے ہاں فیل خانۂ غزنی کے برابر ہاتھی موجود ہوں۔

سلطان محمود نے جس طرح ہندی ہاتھیوں سے فائدہ اٹھایا اسی طرح ہندی سپاہیوں سے بھی کام لیا۔ معرکۂ تکوکوٹ کے بعد سلطان نے مستقلاً دس بارہ ہزار ہندی فوج ملازم رکھی جو اپنے ہندو سپہ سالاروں کے ماتحت غزنی کے تخت کی حفاظت کے لئے ایران و ترکستان کے معرکوں میں اسلامی فوجوں کے دوش بدوش شریک آزما ہوتی۔ ہندوؤں کے اس فوجی دستے کے علاوہ غیر سپاہی پیشہ ہندوؤں کی تو ۱۰۰۰ء کے بعد ہی غزنی میں وہ کثرت ہوگئی تھی کہ فرشتہ کے الفاظ میں "غزنیں دراں سال از بلاد ہندوستان می شمردند"[۱] دارالسلطنت غزنی میں ہندوؤں کو اپنے معتقدات کے بموجب سنکھ بجانے اور بتوں کی پرستش کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ المعری نے رسالۃ الغفران ص ۱۵۳ پر ایک عورت کے ستی ہونے کا واقعہ درج کیا ہے۔

الغرض سلطان محمود کے ہندوستان سے دلچسپی لینے کا ہند کی تاریخ پر بڑا گہرا اثر پڑا اوّل تو ممالک سندھ و ملتان میں جہاں عربوں کے زوال اور قرامطہ کی بے پروائی سے اسلام کی قوت نہایت ضعیف ہوگئی تھی مسلمانوں کے قدم پھر جم گئے۔ دوسرے پنجاب کا وسیع و سرسبز علاقہ مستقل طور پر سلطنت غزنی کا جزو بن گیا جس سے سیاسی، سماجی، علمی اور تمدنی شاندار نتائج برآمد ہوئے، مگر ان سب سے بڑھ کر یہ کہ محمود ہی کے حملوں نے مسلمانوں کو آئندہ تمام ہندوستان فتح کرنے کا راستہ دکھایا۔

اس کی لڑائیوں کا مقصد اشاعتِ مذہب کبھی بھی نہ تھا بلکہ یہ لڑائیاں دشمنوں سے انتقام لینے اور حکومت کی توسیع کے لئے لڑی گئیں[۳]۔ محمود گیارہویں صدی عیسوی کا بادشاہ تھا اس میں قرونِ اولیٰ کے

۱؎ سوہندرائے، تلک ناتھ وغیرہ ۲؎ بحوالہ فرشتہ ص ۲۸ ۳؎ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ غزنوی دور کے مورخین ابوالفضل بیہقی مصنف "تاریخ مسعودی" اور ابو النصر عتبی مصنف "تاریخ یمینی" وغیرہ سلطان محمود اور اس کے جانشینوں کے ملازم تھے اس لئے جب کبھی وہ ان بادشاہوں کی جنگوں کا ذکر کرتے تھے تو اپنے مربیوں کو خوش کرنے کے لئے ان کا مقصد تہذیب و مذہب کی اشاعت بتاتے تھے حالاں کہ یہ جنگیں سراسر ملک گیری کے لئے ہوتی تھیں۔ موجودہ زمانہ میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ترقی یافتہ ملک پسماندہ اقوام کو محکوم بناتے وقت اپنا مقصد تہذیب و تمدن کی اشاعت بتاتے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد اپنی حکومت اور تجارت کو آگے بڑھانا ہوتا ہے اسی طرح محمود اور دوسرے بادشاہوں کی لڑائیاں اپنی طاقت اور شان و شوکت کو بڑھانے
(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

مسلمانوں کی خوبیاں تلاش کرنا بے کار سی بات ہے۔ لڑائیاں بعض اہم سیاسی وجوہ کے بنا پر لڑی گئیں۔ اس کے جارحانہ اقدام سے ملک کی ثروت کو صدمہ پہنچا[1] ہندوؤں کی قوت پارہ پارہ ہوگئی یہ سب باتیں مسلم اور اپنی جگہ پر صحیح سہی لیکن اس کے فاتحانہ اقدام کو اسلام کی طرف سے ہندوؤں کے دلوں میں نفرت کا سبب گردانتا[2] صحیح نہیں ہے۔ اس کی ۳۳ سالہ زندگی کا ریکارڈ آپ کے سامنے ہے اس پر غور کیجئے اور پھر بتایئے کہ اس نے حالتِ امن میں کس مندر کو محض مذہبی تعصب کی بنا پر لوٹا یا کس ہندو کو زبردستی مسلمان بنایا۔ اس کے برخلاف اس کی زندگی مذہبی رواداری کی مثالوں سے بھرپور ہے۔ اس نے راجگان پنجاب کی بدعہدیوں کو بار بار انگیز کیا۔ اپنے حلیف راجہ قنوج کی خاطر کالنجر کے دو چکر لگائے بالآخر اس کو بھی اپنا کر چھوڑا۔ راجہ گجرات سے جو کچھ سلوک کیا وہ بھی سامنے ہے پھر کیوں کر اس کی روش کو وجہ منافرت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہندوؤں کو نہ صرف مسلمانوں سے بلکہ تمام دیگر اقوام سے اجتناب ضرور رہا ہے اور ایک حد تک مہاتما گاندھی جی جیسے[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے لئے ہوتی تھیں اور یہ چیز اس زمانہ کے ہندو و مسلمانوں دونوں میں یکساں طور پر پائی جاتی تھی۔

بہرحال مورخین کی مذکورہ بالا خصوصیت کے علاوہ ان کے طرزِ تحریر پر بھی نظر رکھنا چاہئے۔ مبالغہ اور لفاظی فارسی نثر نویسیوں بلکہ عام مشرقیوں کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے اگر اتفاق سے کسی بادشاہ نے ایک دو مندر مسمار کر کے ان کی جگہ مسجدیں تعمیر کر دیں تو یہ مورخین تحقیق کئے بغیر اس واقعہ کا ذکر یوں کریں گے کہ گویا ہزار ہا بت خانے توڑے گئے اور ان کی جگہ مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ حالانکہ یہ مبالغہ اور لفاظی کے سوا کچھ نہیں (تصنیف ڈاکٹر حبیب اللہ صفحہ ۲۹) مثلاً قطب الدین ایبک کے متعلق ایک فارسی مورخ لکھتا ہے کہ اس نے دہلی میں ایک ہزار بت خانے گرا کر ایک ہزار دارالعلوم قائم کئے تھے اس بیان کو اگر سنجیدگی کے ساتھ پرکھا جائے تو قطعی ناقابل تسلیم معلوم ہوتا ہے کہ جس بادشاہ نے ایک شہر میں چار سال سے زیادہ حکومت نہیں کی اور یہ چار سال بھی بیشتر لڑائیوں اور دوسری الجھنوں کی نذر ہوئے وہ اس قلیل مدت میں کس طرح ایک ہزار مدرسے قائم کر سکا۔ چنانچہ ڈاکٹر ٹائی ٹس نے مدرسوں کی اس تعداد کو مشکوک قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ابتدائی مورخوں کی تحریروں کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے زمانہ حال کے تنقیدی اصولوں سے پرکھنا پڑے گا۔ ان کے ہر بیان کو لفظاً و معناً صحیح سمجھ لینا سخت غلطی ہے۔ ایلیٹ صاحب نے فارسی تواریخ کے لغوی ترجمے مرتب کئے ہیں یہی وجہ ہے کہ انگریزی مورخین جن کی رسائی اصل فارسی کتب تک نہیں ہوتی وہ ترجمے کو پڑھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

[2] وقت نوٹ نمبر ۱:۔ سلطان محمود غزنوی از پروفیسر حبیب صاحب ص ۱۰۵ ترجمہ [3] آج ہماری گردنیں دنیا کی اقوام کے آگے شرم و ندامت کی وجہ سے جھکی ہوئی ہیں کہ ہمارے ہی ایک ہندی بھائی ناتھو رام ونایک کے ہاتھوں اس دنیا کے مخلص اعظم کی جان لے لی گئی۔ یہ واقعہ ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء بروز جمعہ بوقت ۵ بجے شام کا ہے۔

مخلص ہمدردی کی کوششوں کے باوجود اس زمانہ میں بھی کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے لیکن غزنوی دور میں اس کے اسباب کچھ اور ہی تھے جن کا تفصیل کے ساتھ البیرونی نے کتاب الہند میں تذکرہ کیا ہے[1]۔ محمود نے تو اس نفرت و مغائرت کو ایک حد تک دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُس نے ہندوؤں کو فوج میں بھرتی کرے اور منصبی رواداری سے کام لے کر انھیں اس امر کا موقع دیا کہ وہ مسلمانوں کو قریب سے رہ کر دیکھیں اور سمجھیں۔ اسی طرح اُس نے سازشی و معاند گروہوں کو جو ہندو مسلمانوں کے درمیان منافرت بڑھانے کا سبب ہو سکتے تھے بجائے قتل کرنے کے پکڑ پکڑ کر لا بسایا تاکہ وہ مسلمانوں سے اور مسلمان ان سے مانوس ہو جائیں۔

قدرت نے محمود کو ظاہری حسن و جمال سے محروم رکھا تھا۔ اُس کا قد میانہ اور اعضا متناسب تھے۔ چیچک کے داغوں نے چہرے کی رونق مٹا دی تھی۔ مشہور ہے کہ ایک دفعہ سلطان آئینہ دیکھ کر بہت ملول ہوا اور اپنے وزیر سے کہنے لگا "بادشاہوں کی صورت رعایا کی بصارت کو قوت بخشتی ہے لیکن عجب نہیں کہ میری شکل دیکھنے والے کی آنکھ کو تکلیف پہنچائے" حاضر جواب وزیر نے عرض کیا "ہزار میں ایک بھی حضور کی صورت نہیں دیکھتا مگر سیرت کا سب پر اثر پڑتا ہے حسب معمول نیکی کی طرف متوجہ رہیئے ہر شخص آپ سے محبت کرے گا[2]"۔ محمود کو تمام مورخین نے متفقہ طور پر سلیم الطبع، شجاع، مستقل مزاج، حلیم و بردبار اور علم دوست تسلیم کیا ہے۔ یقیناً اس کا ایک سبب کچھ تو اس کی فطری صلاحیت تھی جو قدرت نے اس میں ودیعت کی تھی اور دوسرا سبب یہ تھا کہ اس کا اٹھان سبکتگین جیسے بے مثل صفات کے فرماں روا کے ہاتھوں ہوا۔ سبکتگین نے محمود کی تربیت میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہ رکھا تھا چنانچہ مشہور ہے کہ محمود نے اپنی کم سنی میں ایک باغ نہایت محنت سے تیار کرایا اور اس کے وسط میں ایک عالی شان عمارت بھی تعمیر کرائی۔ سبکتگین جب مہمات ملکی سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اس نے یہ باغ دیکھ کر محمود سے کہا کہ "اے جان پدر ایسے باغ و محلات تو ایک معمولی امیر بھی تیار کرا سکتا ہے میں تو تجھ سے ایسی عمارت کی توقع رکھتا ہوں جس کی نظیر کہیں نہ ملے" محمود نے دریافت کیا کہ وہ عمارت کیسی ہے۔ سبکتگین نے جواب دیا کہ وہ تعمیر ہے اہل

---

[1] کتاب ہذا کی جلد دوم میں اُن وجوہات کو تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ [2] سیاست نادر اور گزیدہ ص ۲۹۵ کی اس روایت کو ابن اثیر اور سبط ابن الجوزی نے غلط مانا ہے۔ اُن کا کہنا ہے۔ سلطان میانہ قد کا حسین اور خوش رو نوجوان تھا جسم گٹھا ہوا آنکھیں چھوٹی۔ گول زنخداں اور داڑھی کے بال گنے چنے تھے۔

فضل وکمال کے درلوں کی جو قائم رہنے والی ہے اور جس پر کسی نہال کا نصب کرنا ہمیشہ بار آور ثابت ہوتا ہے۔[1] جنھوں نے محمود کی سیرت کا غائر مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ باپ کی نصیحت پر اُس نے کس حد تک عمل کیا اور اس باب میں وہ کس قدر کامیاب ثابت ہوا۔ اسی تربیت کا اثر تھا کہ جوان ہو کر محمود نے سارے عالم کو اپنی شہرت سے معمور کر دیا۔

محمود اپنے بیٹے مسعود کی طرح قوی، پہلوان اور دیو ہیکل نہ تھا لیکن جسم سڈول اور گٹھیلا پایا تھا۔ مسلسل مسافتوں کی تکالیف اس کا جسم بآسانی سہار لیتا تھا۔ بہ حیثیت سپہ سالار کے محمود یہ بخوبی جانتا تھا کہ بلاوجہ جان کو خطرہ میں ڈال دینا بہادری کی دلیل نہیں ہے لیکن اگر کبھی موقع آن پڑا ہے تو محمود ہاتھی پر سوار ہو کر دشمن کے ٹڈی دل میں گھس گیا ہے اور دادِ شجاعت ہی دے کر لوٹا ہے۔ محمود کو جو چیز سب پر غالب کر دیتی تھی وہ اُس کی اعلیٰ دماغی قابلیت تھی۔ سخت سے سخت الجھی ہوئی گتھیوں کو وہ بات کی بات میں ناخنِ تدبیر سے سلجھا دیتا اور ایک نظر میں گرد وپیش کے آدمیوں کی دلی کیفیات کا جائزہ لے لیتا۔ صاحب زینت المجالس نے بحوالہ تاریخ ناصری لکھا ہے کہ محمود ایک مرتبہ ہرات میں آیا تو مجلس وزراء کے ایک امیر عبدالرحمٰن نامی کو قیام کرنے کے لئے ایک نہایت فاضل بزرگ کا مکان دیا گیا۔ یہ مکان نہایت عمدہ اور وسیع تھا۔ امیر کی نیت بگڑ گئی اور اُس نے اس مکان پر اپنا قبضہ جمانا چاہا چنانچہ ایک مناسب موقع پر اُس نے محمود سے اُس بزرگ کی شکایت کی اور کہا کہ "میں ایک دفعہ اچانک اس بزرگ کے حجرہ میں داخل ہو گیا میں نے دیکھا کہ اُس کے سامنے ایک برنجی بت رکھا ہوا ہے اور قریب میں شراب سے لبریز ایک پیالہ۔ اُس نے پہلے شراب پی اور پھر اُس بت کے سامنے سرنگوں ہو گیا چنانچہ میں اُس بت اور برتن کو لے آیا ہوں جو حکم مناسب ہو دیا جائے"۔ محمود نے حکم دیا کہ "صاحب مکان کو لایا جائے" محمود نے اُس بزرگ کو تھوڑی دیر غور سے دیکھا اس کے بعد عبدالرحمٰن کو بُری طرح ڈانٹا اور کہا کہ "اے بزدل سچ بتا تو نے ایسی لغو بات کیوں کہی اور تو اس درویش کا کیوں دشمن ہو گیا ہے؟ آخر کار عبدالرحمٰن کو اقرار کرنا پڑا کہ یہ جھوٹی شکایت صرف اس لئے کی تھی کہ اس طرح اس کا مکان ضبط کر لیا جائے گا اور مجھے مل جائے گا"۔

---

[1] فرشتہ بحوالہ مآثر الملک جلد اول ص۲۱

محمود میں حکومت کا مادہ خداداد تھا وہ کبھی نچلانہ بیٹھتا اپنے دل کا حال گہرے سے گہرے دوست پر بھی ظاہر نہ ہونے دیتا۔ وزیروں اور مصاحبوں سے خلا ملا ضرورت سے زیادہ نہ رکھتا۔ مصاحبوں کو امورِ سلطنت میں دخل دینے کی اجازت نہ تھی۔ تیز فہمی اور دور اندیشی اس کی سرشت میں تھی وہ ہر پہلو سے اپنے فائدے کو پیشِ نظر رکھتا تھا۔ سلطان کے بارے میں عفو و درگذر اور رحم و انصاف کی متعدد روایات ہیں یہاں صرف دو ایک پر اکتفا کیا جائے گا۔

ایک مرتبہ ایک دادخواہ حاضر ہوا اور کہا کہ خلوت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تخلیہ ہوتے پر اس نے محمود سے کہا کہ "آپ کا ایک عزیز روزانہ رات کو میرے گھر آتا ہے اور مجھے گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔ میں انصاف کی غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں اگر آپ انصاف کرتے ہوں تو کیجئے ورنہ میں معاملہ کو منصفِ حقیقی پر چھوڑ دوں" محمود یہ سن کر آب دیدہ ہو گیا اور کہا کہ آئندہ جس وقت وہ شخص تیرے گھر میں آئے تجھے فوراً اطلاع کر۔ چنانچہ تیسرے روز وہ شخص پھر آیا اور کہا کہ "اس وقت وہ آدمی گھر میں موجود ہے" محمود نے یہ سنتے ہی تلوار ہاتھ میں لی اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک مرد اور عورت پلنگ پر سو رہے ہیں۔ محمود نے فوراً چراغ گل کر کے اپنی تلوار سے مرد کا سر قطع کر دیا اور پھر چراغ روشن کر کے مقتول کا چہرہ دیکھا اور خدا کا شکر ادا کر کے پینے کے لئے پانی مانگا۔ مستغیث نے چراغ گل کرنے اور پانی پینے کا سبب پوچھا تو کہا کہ "چراغ اس لئے گل کر دیا تھا کہ کہیں مجھے صورت دیکھ کر رحم نہ آجائے اور پانی پینے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں اس ظلم کا انسداد نہیں کر لوں گا پانی نہیں پیوں گا۔ آج میں تین دن کا پیاسا تھا اس لئے تشنگی رفع کرنے کے لئے پانی مانگا تھا"

ظالموں سے انتقام لینے میں وہ کس قدر سخت تھا اس کا اندازہ اس حکایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے ایک بار کچھ تحائف فرمانروائے کرمان کے پاس روانہ کئے۔ راستہ میں قزاقوں نے سارا سامان لوٹ لیا اور سفارت کے چند آدمیوں کو بھی قتل کر دیا۔ محمود کو اس واقعہ کی خبر اس وقت ملی جب کہ وہ خوارزم کی طرف جا رہا تھا جب محمود بست میں پہونچا تو شہزادہ مسعود ہرات سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن محمود نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ وجہ دریافت کرنے پر محمود نے کہا کہ "میں تمہاری صورت کیوں کر دیکھ سکتا ہوں جب کہ

تمہارے علاقے میں ظلم و بے امنی کا یہ حال ہے۔ میں تم سے اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک کہ ڈاکوؤں کے ظلم سے رعایا کی جانیں محفوظ نہ ہو جائیں"، چنانچہ مسعود واپس گیا اور ایک سخت مقابلہ کے بعد اس گروہ کو گرفتار کرکے محمود کے سامنے پیش کیا۔ (ریاست نامہ)۔ اسی طرح عراق کی اُس بڑھیا کا واقعہ نہایت مشہور ہے جس نے اپنا قافلہ لٹ جانے کے بعد محمود کو تنبیہ کی تھی کہ وہ دور و دراز مقامات کا انتظام نہیں کرسکتا تو کیوں اپنے ملک کو اس قدر وسیع کرلیا ہے (ریاست نامہ ص۵۸) الغرض محمود کی یہی انصاف پسندی تھی جس نے فردوسی کو یہ لکھنے پر مجبور کردیا کہ ؎

جہاں دار محمود شاہ بزرگ — بہ آبشخور آرد ہمی میش و گرگ

چو کودک لب از شیر مادر بشست — بہ گہوارہ محمود گوید نخست

اُس کی دولت کا حساب لگانا محال ہے جو اسے چاروں طرف سے خراج و غنائم کی صورت میں حاصل ہوتی تھی۔ یہ سن کر کہ آلِ سامان کے خزانہ میں جواہرات کی مقدار سات رطل[1] سے زیادہ نہ تھی وہ اگر سجدۂ شکر بجا لایا تو کچھ بے جا نہ تھا کیوں کہ خود اُس کے خزانے میں سو رطل سے زیادہ وزن کے بے نظیر جواہر موجود تھے[2]۔ لیکن وہ اپنے خزانوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہونے والوں میں نہ تھا اُس نے حکومت کے استحکام اور علوم و فنون کی ترقی کے لئے نہایت فیاضی و فراخدلی کے ساتھ روپیہ کو پانی کی طرح بہایا۔ اس کے دربار میں شیعہ، ہندو، عیسائی، یہودی ہر ملت و مذہب کے اہلِ کمال موجود تھے[3]۔

عہدِ غزنوی کے کسی مخصوص قانون یا آئین کا پتہ تاریخ سے نہیں چلتا اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ محمود تمام معاملات میں صرف مذہب اور شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا تھا اور کسی دوسرے آئین کی ضرورت نہ سمجھتا تھا اور اُس کے متقدمین کا بھی اسی پر عمل تھا۔ اخلاق و عادات کے اعتبار سے اگر اس کو کسی پر فوقیت نہیں دی جاسکتی تو کسی سے کمتر بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ذاتی عقائد کے لحاظ سے محمود ایک سیدھا سادہ مسلمان تھا۔ وہ خدائے واحد و حاضر کا دل سے معتقد تھا اور یہی ایمان و ایقان کی طاقت تھی جو ہمیشہ اس کے آڑے وقت میں کام آتی اور اُس کے قلب کو مطمئن رکھا۔ خوفِ خدا کے متعلق اُس کے بارے میں ایک روایت مشہور ہے کہ

---

[1] رطل وزن میں غالباً چھ چھٹانک یعنی ۳۰ تولے کے قریب ہوتا تھا۔ [2] فرشتہ ص۳۶ [3] شعر العجم جلد اص۱ طبع چہارم

جب خلیفۂ بغداد نے اسے سمرقند پر قبضہ کرنے کی اجازت نہ دی تو سلطان محمود نے غضب ناک ہو کر ایلچی سے کہا "کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایک ہزار ہاتھی لے کر جاؤں اور سمرقند کو تباہ کر کے اُس کی مٹی تک اُن پر لاد کر غزنیں لے آؤں" خلیفۂ بغداد القادر باللہ نے اس کے جواب میں جو مراسلہ بھیجا اس میں بسم اللہ کے بعد صرف ایک سطر تھی اور اس میں بھی صرف ا ل م یہی تین حرف الگ الگ لکھ کر خط کو ختم کر دیا تھا۔ ان حروفِ مقطعات کو دیکھ کر تمام درباری حیران رہ گئے اور دیر تک مطلب سمجھ میں نہ آیا۔ آخر ایک شخص نے بڑھ کر عرض کیا کہ شاید یہ سورۃ "الم ترکیف" کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ فیل کی تباہی کا ذکر کیا ہے۔ یہ سنتے ہی سلطان دم بخود رہ گیا اور شدّتِ خوف سے اُس کے آنسو جاری ہو گئے۔ ایلچی سے بہت کچھ معذرت کی اور بیش قیمت تحائف کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں عریضۂ ندامت و افسوس لکھ کر بغداد بھیجا۔ محمود فطرتاً بے انتہا منکسر المزاج تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک تھا اور اُس کی فتوحات نے وسط ایشیا اور سرزمین ہند کے ایک معقول حصہ کا احاطہ کر لیا تھا لیکن اُس نے خود کبھی اپنے تئیں سلطان کہلانا مناسب نہیں سمجھا اور نہ "سکوں" میں اپنے نام کے ساتھ لفظ "سلطان" کا اضافہ کیا۔ تختِ خلافت کی طرف سے اُس کو یمین الدولہ، امین الملۃ، کہف الدولہ والاسلام کے خطابات ملے تھے اور طبقاتِ ناصری کی روایت سے "سلطان" کا خطاب بھی اُس کو دیا گیا تھا[2]۔ لیکن محمود نے ہمیشہ لفظ "سلطان" کے استعمال سے احتراز کیا اور خلیفۂ بغداد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے کبھی اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھا۔

ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ اقرارِ رسالت، قیامت پر ایمان اور شعائرِ اسلامی کا احترام مسلمان پر فرض ہیں۔ محمود کے ہم عصر لوگوں نے یہ افواہیں اُڑائی ہیں کہ وہ قیامت کا قائل نہیں تھا اور اس حدیث کے ماننے میں بھی اسے تامل تھا کہ علماء پیغمبروں کے قائم مقام ہیں۔ آخر کار ایک شب کو خواب میں[3] آنحضرت صلعم کی زیارت

---

[1] علامہ شبلی نے اس روایت کو بغداد پر منطبق کیا ہے ملاحظہ ہو شعر العجم جلد اول صفحہ ۱۰۔ [2] طبقات ناصری صفحہ ۹ از منہاج الدین سراج [3] کہتے ہیں کہ سلطان کے دل میں یہ شبہ جاں گزیں تھا کہ سبکتگین اُس کا اصلی باپ نہ تھا ایک روز رات کے وقت جب سلطان محل میں واپس آیا تو اُس کی نظر طلائی چراغ پر پڑی اس نے حکم دیا کہ وہ چراغ اس طالب علم کو دے دیا جائے جو بازار کی دکان کی روشنی میں مطالعہ کر رہا تھا۔ اُسی شب کو خواب میں آنحضرت صلعم کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے فرمایا "سبکتگین کے بیٹے! تجھ کو خدا دونوں جہان میں با آبرو رکھے کیوں کہ تو نے ایک میرے جانشین کا احترام کیا ہے" اس طرح سلطان کے تینوں شکوک ...

کے بعد اُس پہ کے شکوک رفع ہو گئے اور وہ اولیاء کرام کی خدمت میں برابر حاضر ہونے لگا اُس کو ابو الحسن خرقانیؒ سے خصوصی ارادت وعقیدت تھی۔[۱] اگر اس روایت[۲] پر غور کیا جاوے جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے ہم تک پہنچی ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ جس طرح وہ اس دنیا میں باآبرو رہا اسی طرح عقبیٰ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسے سربلند رکھا جو ایک مومن کا منتہائے مقصود ہے۔

---

[۱] بیہقی صد ۲۳۳۔

[۲] محمود غزنوی کے بارے میں ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ " بعد وفات اس کو خواب میں دیکھا گیا پوچھا کہ اللہ نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا اُس نے جواب دیا کہ مجھے اپنے کرم سے بخش دیا اور سبب میری بخشش کا یہ ہوا کہ ایک شب مجھے ایک مکان میں رہنے کا اتفاق ہوا وہاں طاق میں قرآن شریف رکھا ہوا تھا۔ جس وقت نیند کا غلبہ ہوا میرے دل نے چاہا کہ لیٹ جاؤں لیکن طاق میں قرآن شریف رکھا ہونے سے میں نے یہ امر خلافِ ادب جانا اور یہ بھی گوارا نہیں ہوا کہ اپنے آرام کے واسطے مصحف کی جگہ تبدیل کردوں۔ الغرض تمام شب بیٹھا رہا اور جاگ کر صبح کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ادب کی وجہ سے مجھے بخش دیا۔ (ماخوذ از فوائد الفواد)

العلم والعلماء

یہ جلیل القدر امام حدیث " علامہ ابن عبد البرؒ کی شہرۂ آفاق کتاب " جامع بیان العلم وفضلہ " کا نہایت صاف اور شگفتہ ترجمہ ہے۔ علم اور فضیلتِ علم، اہل علم کی عظمت اور اُن کی ذمہ داریوں کی تفصیل پر خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے آج تک کوئی کتاب اس مرتبہ کی شائع نہیں ہوئی اس متبرک کتاب کی ایک ایک سطر سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے موعظتوں اور نصیحتوں کے اس عظیم الشان دفتر کو ایک مرتبہ ضرور پڑھئے۔

کتاب کا ترجمہ مشہور ادیب اور مترجم مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی نے کیا ہے موصوف نے یہ ترجمہ مولانا ابو الکلام آزاد کے ارشاد کی تعمیل میں کیا تھا۔

صفحات ۳۰۰ بڑی تقطیع۔ قیمت غیر مجلد للعہ۔ مجلد ہے،